پروفیسر محمد اسلم

ملفوظاتِ خواجہ بندہ نواز گیسو درازؒ

حضرت سیّد محمد الحسینی المعروف بہ سیّد بندہ نواز گیسو درازؒ کا شمار برِعظیم پاک و ہند کے اولیائے کبار میں ہوتا ہے۔ آپ ۴ رجب ۷۲۰ھ کو خسرو خان کے عہد میں دہلی میں پیدا ہوئے۔ آپ کی ولادت کے چند سال بعد جب سلطان محمد بن تغلق نے دہلی کی بجائے دولت آباد کو اپنا پایۂ تخت بنایا اور دہلی کے باشندوں کو وہاں جانے کا حکم دیا تو حضرت گیسو درازؒ اپنے والد بزرگوار سیّد محمد یوسف المعروف بہ راجو قتالؒ کی معیت میں دولت آباد تشریف لے گئے۔[1]

آپ نے ابتدائی تعلیم دولت آباد میں اپنے والد بزرگوار سے حاصل کی۔ حضرت گیسو درازؒ ابھی دس سال کے تھے کہ شفقتِ پدری سے محروم ہوگئے۔ والد کی وفات کے بعد ان کی تربیت کا بار ان کے ماموں ملک الامرا سید ابراہیم کے کندھوں پر پڑا اور وہ پانچ سال تک ان کی کفالت کرتے رہے۔

جب حضرت گیسو درازؒ پندرہ برس کے ہوئے تو ان کی والدہ اپنے بھائی سے ناراض ہوکر اپنے بیٹے سمیت دہلی چلی آئیں۔[2] دہلی اس زمانے میں علم و ادب کا گہوارہ سمجھا جاتا تھا اور ان دنوں وہاں شیخ نصیر الدین چراغ دہلی کے نامور مرید قاضی عبد المقتدر کے علم و فضل کا بڑا شہرہ تھا۔ قاضی صاحب اپنی فصاحت و بلاغت اور دانش مندی کے لیے ضرب المثل تھے اور ان کے قصائد و غزلیات علمی و ادبی حلقوں میں بڑی قدر کی نگاہوں سے دیکھے جاتے تھے۔[3] حضرت گیسو درازؒ کو دہلی میں قاضی عبد المقتدر کی صحبت میسر آئی اور آپ نے ان کی خدمت میں رہ کر علوم ظاہری کی تکمیل کی۔

سیّد گیسو درازؒ پندرہ یا سولہ سال کی عمر میں حضرت نصیر الدین چراغ دہلیؒ سے متعارف ہوئے[4]

---

[1] شیخ محمد اکرام، آبِ کوثر، مطبوعہ لاہور ۱۹۵۲ء، ص ۲۱۷۔ [2] ایضاً۔

[3] رحمٰن علی، تذکرہ علمائے ہند، مطبوعہ لکھنو ۱۸۹۴ء، ص ۱۳۳۔

[4] حضرت گیسو دراز، جوامع الکلم، مطبوعہ کانپور ۱۳۵۶ھ، ص ۲۹۳۔

اور آپ نے طالب علمی کے زمانہ میں ہی ۱۶ رجب ۷۳۶ھ کو ان کے ہاتھ پر بیعت کرلی[۵]۔ بیعت کے بعد سیّد گیسو دراز نے مرشد کی نگرانی میں سلوک کی منازل طے کرنا شروع کیں۔ ان کا جذبہ اور ذوق و شوق دیکھ کر حضرت چراغِ دہلیؒ فرمایا کرتے تھے کہ ستّر برس کے بعد ایک لڑکے نے پھر مجھ میں شورید گی پیدا کر دی ہے اور پہلے زمانے کے واقعات مجھے یاد دلا دیے ہیں[۶]۔

حضرت نصیر الدین چراغ دہلیؒ نے ۱۸ رمضان ۷۵۷ھ کو وفات پائی[۷] اور وفات سے تین روز پہلے انھوں نے حضرت گیسو دراز کو خلافت عطا فرمائی۔ حضرت گیسو دراز نے چوالیس برس تک دہلی میں مسندِ ارشاد کو زینت بخشی اور رجب ۸۰۱ھ میں امیر تیمور کے حملہ کا غلغلہ بلند ہوا تو حضرت گیسو دراز نے ۸۰ برس کی عمر میں دہلی کو خیر باد کہا اور گجرات کے راستے دولت آباد تشریف لے گئے۔ دولت آباد میں چندے قیام کے بعد آپ شاہانِ بہمنی کے دار الحکومت گلبرگہ تشریف لے گئے اور سلطان تاج الدین فیروز کی درخواست پر آپ نے وہیں مستقل سکونت اختیار کرلی اور وہیں ۸۲۵ھ میں ۱۰۵ سال کی عمر میں وفات پائی[۸]۔ آپ کا مزار گلبرگہ میں مرجع خلائق ہے۔

سید گیسو درازؒ نے متعدد کتابیں اپنی یادگار چھوڑی ہیں جن میں سے شرح فصوص الحکم، معارف شرح عوارف، شرح فقہ اکبر، رسالہ سیرۃ النبیؐ، شرح آداب المریدین، اسماء الاسرار، مکتوبات اور ان کا مجموعۂ کلام انیس العشاق خاص طور پر مشہور ہیں۔ ان کے ملفوظات کے دو مجموعے سیرِ محمدی مرتبہ محمد علی سامانی اور جوامع الکلم مرتبہ سید محمد اکبر حسینی طبع ہو چکے ہیں۔ ان میں سے آخر الذکر مجموعہ ملفوظات بڑی اہمیت کا حامل ہے۔

حضرت گیسو دراز نے ۱۰۵ برس کی عمر پائی اور ان کی زندگی میں تیرہ بادشاہ دہلی کے تخت پر بیٹھے۔ موصوف برعظیم پاک و ہند میں ایک صدی میں پیش آنے والے واقعات کے عینی شاہد ہیں،

---

[۵] صباح الدین عبد الرحمٰن، بزم صوفیہ، مطبوعہ اعظم گڑھ ۱۹۴۹ء، ص ۴۸۵۔

[۶] محمد علی سامانی، سیر محمدی، مطبوعہ الہ آباد ۱۳۴۷ھ، ص ۱۴۔

[۷] خلیق احمد نظامی، دیباچہ خیر المجالس، مطبوعہ علی گڑھ ۱۹۵۹ء، ص ۶۱۔

[۸] محمد اسحٰق، انڈیاز کونٹری بیوشن ٹو دی اسٹڈی آف حدیث لٹریچر، مطبوعہ ڈھاکہ ۱۹۵۵ء، ص ۶۴۔

اس لیے ان کے ملفوظات کا مطالعہ تاریخ کے ایک طالب علم کے لیے بے حد ضروری ہے۔ میں نے جوامع الکلم پر تاریخ کے ایک طالب علم کی حیثیت سے نظر ڈالی ہے اور مجھے اس گراں قدر کتاب میں سے جو مواد دستیاب ہوا ہے، وہ پیشِ خدمت ہے۔

جوامع الکلم حضرت بندہ نواز گیسو دراز کے ملفوظات کا مجموعہ ہے جو ان کے فرزند سیّد محمد اکبر حسینی نے جمع کیے ہیں۔ جن ایام میں فاضل مرتب نے ملفوظات جمع کرنا شروع کیے ان دنوں حضرت گیسو دراز دہلی سے براہِ گجرات دکن جا رہے تھے۔ فاضل مرتب نے ملفوظات نویسی کا آغاز ۱۸ رجب ۸۰۲ھ/ ۱۵ مارچ ۱۴۰۰ء کو کھمبائت میں کیا اور نو ماہ بعد ۲۲ ربیع الثانی ۸۰۳ھ/ ۱۰ دسمبر ۱۴۰۰ء کو جوامع الکلم مکمل ہوئی۔ اس کتاب میں فاضل مرتب نے حضرت گیسو درازؒ کی ۱۴۸ مجالس کے ملفوظات قلم بند کیے ہیں۔

سیّد محمد اکبر حسینی رقم طراز ہیں کہ انھوں نے یہ ملفوظات لکھ کر حضرت گیسو درازؒ کی خدمت میں پیش کیے اور انھوں نے لفظاً لفظاً اور حرفاً حرفاً ان کا مطالعہ کر کے ان کی تصیحیحات فرمائی۔ حضرت گیسو دراز نے ملفوظات پڑھ کر فرمایا کہ مرتب نے جس تحقیق اور تدقیق کے ساتھ یہ ملفوظات جمع کیے ہیں، اسے مدِّنظر رکھتے ہوئے وہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ انھوں نے خود ہی اپنے ملفوظات جمع کیے ہیں۔[۹]

تاریخی ماخذ

جوامع الکلم چشتی بزرگوں کے متعلق معلومات کی ایک کان ہے اور ہماری ناقص رائے میں اگر کوئی شخص چشتیہ سلسلہ کے بزرگوں کے حالات لکھتے وقت اس کتاب سے استفادہ نہیں کرتا تو وہ بڑی غلطی کرتا ہے۔ اس کتاب میں خواجہ معین الدین اجمیریؒ، خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ، بابا فریدالدین مسعود گنج شکرؒ، حضرت نظام الدین اولیاؒ، حضرت نصیر الدین چراغ دہلیؒ اور ان کے خلفا اور مریدین کے حالات اس کثرت کے ساتھ بیان کیے گئے ہیں کہ ان بزرگوں کا کوئی سوانح نگار اس کتاب سے بے نیاز نہیں رہ سکتا۔

---

۹ جوامع الکلم، مطبوعہ کانپور ۱۳۵۶ھ، ص ۲۷۱۔

اردو کی ابتدا

جوامع الکلم کے مطالعہ سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ ہمارے اکابر زبان کے بارے میں بڑے بے تعصب واقع ہوئے تھے۔ وہ اپنی روزمرہ کی گفتگو میں ہندی زبان کے الفاظ بڑی بے تکلفی کے ساتھ استعمال کرنے لگے تھے۔ حضرت بندہ نوازؒ گیسو دراز کے ملفوظات میں بھات، چھپر، کھٹ کھاٹ، کٹارہ، لنگوٹہ، دھکہ، چنڈال، پولہ، ڈھیر، پوٹلہ، کھل، پہاڑ، ڈولہ، جٹ، چوترہ، کروڑ، پھڑی، چرائتہ، پلپل (فلفل)، موڑہ، چھجہ، چیکسہ اور چنپا جیسے الفاظ عام ملتے ہیں۔ اسی طرح اس کتاب میں کئی ہندی فقرے بھی ملتے ہیں جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ہمارے مشائخ عوام کی زبان استعمال کرنے لگے تھے اور اردو کی ابتدا ہو گئی تھی۔

گیسو درازؒ کا علمی ذوق

جوامع الکلم حضرت گیسو درازؒ کے بارے میں معلومات کی ایک کان ہے۔ اس کتاب میں فصوص الحکم، فتوحاتِ مکیہ، مشارق الانوار، مقاماتِ حریری، پنج گنج، بزدوی، رسالہ قشیریہ، کشف المحجوب، تاریخ فیروز شاہی، کنز، مبسوطہ خواہر زادہ اور شرح مشارق الانوار کا بار بار ذکر آیا ہے۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ کتابیں اکثر حضرت گیسو درازؒ کے مطالعہ میں رہتی تھیں۔

جوامع الکلم میں صاحبزادہ محمد اکبر حسینی رقم طراز ہیں کہ ہمارے والد بزرگوار فرمایا کرتے تھے کہ انھوں نے سنسکرت زبان کی کتابیں پڑھی ہیں اور وہ ہندوؤں کی دیو مالا سے بخوبی واقف ہیں۔[۱۰]

گیسو درازؒ کا عقیدہ

حضرت گیسو درازؒ کے مذہب کے متعلق بعض تذکرہ نویسوں نے یہ لکھا ہے کہ ان کی تحریریں پڑھ کر یہ گمان گزرنے لگتا ہے کہ موصوف شیعہ تھے۔ ہمارے خیال میں انھیں شیعہ سمجھنا ان کے سوانح نگاروں کی کم علمی کا نتیجہ ہے اور اگر وہ جوامع الکلم کا بغور مطالعہ کرتے تو انھیں اُن کے راسخ العقیدہ سنی ہونے میں کوئی شک باقی نہ رہتا۔ حضرت گیسو درازؒ کا یہ عقیدہ تھا کہ صحابۂ کرام میں حضرت ابوبکرؓ سب سے افضل تھے اور ان کے بعد حضرت عمرؓ کا مقام ہے اور اُن

---

۱۰ جوامع الکلم، ص ۱۱۹ — "من کتاب سنسکرت ایشان خوانده ام و افسانہائے ایشان می دانم"۔

کے بعد حضرت عثمانؓ کا اور ان کے بعد حضرت علیؓ کا[۱۱]۔ سید گیسو دراز کے اس عقیدہ کی روشنی میں ان کے اہلِ سنت ہونے میں کسی شک و شبہ کی گنجائش باقی نہیں رہ جاتی۔

حضرت گیسو دراز صحابہ کرامؓ کے بارے میں اتنے محتاط تھے کہ ان کے صاحبزادے سیّد محمد اکبر حسینی جوامع الکلم میں تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت گیسو درازؒ اختلافاتِ صحابہ پر گفتگو کرنے سے ہمیشہ پرہیز فرماتے تھے۔ ہمارے خیال میں یہ ان کے احترامِ صحابہ کی ایک دلیل ہے۔

گیسو درازؒ اور ہندو

جوامع الکلم کے مطالعہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اکثر ہندو جوگی اور ہندو ودیا دان حضرت گیسو درازؒ سے مناظرے کرنے کے لیے آیا کرتے تھے اور موصوف اس شرط پر بھی مناظرہ کرنے کے لیے تیار ہو جاتے تھے کہ جو شخص مناظرہ میں ہار جائے وہ جیتنے والے کا مذہب قبول کر لے۔ ایک بار ایک ہندو کے ساتھ مناظرہ کی یہی شرط ٹھہری اور جب وہ مناظرہ میں ہار گیا تو اس نے عرض کیا کہ اس کے بیوی اور بچے سامانہ میں ہیں، وہ انھیں لینے جا رہا ہے اور واپس آ کر مع اہل و عیال اسلام قبول کرے گا لیکن وہ ایسا غائب ہوا کہ دوبارہ نظر نہیں آیا۔

سہروردی اور نقشبندی بزرگوں کے مسلک کے برعکس چشتیہ سلسلہ کے بزرگ ہندوؤں کے ساتھ بڑی رواداری کے قائل تھے اور ان کی ہمیشہ یہی خواہش ہوا کرتی تھی کہ ان کی کسی طرح دل آزاری نہ ہو۔ ایک بار ایسا ہوا کہ حضرت گیسو دراز، مولانا جمال الدین، مولانا علاء الدین اور مولانا صدر الدین ایک مجلس میں تشریف فرما تھے کہ ایک ہندو طبیب بھنو نامی مولانا جمال الدین سے ملنے آیا اور گفتگو کے دوران مولانا صدر الدین نے اُسے "ابے بھنو" کہہ کر مخاطب کیا تو مولانا جمال الدین نے انھیں ٹوکا اور ان سے پوچھا کہ بھلا یہ "ابے" کیا ہوتا ہے؟ اس پر مولانا صدر الدین نے کہا کہ وہ چونکہ ہندو ہے اس لیے انھوں نے اسے "ابے" کہہ کر مخاطب کیا ہے۔ ان کی یہ بات سُن کر مولانا جمال الدین نے کہا کہ یہ مانا کہ وہ ہندو ہے لیکن تم اپنی زبان کیوں خراب کر رہے ہو۔ تمھیں یہ چاہیے تھا کہ اُسے "برادر بھنو" کہہ کر پکارتے، اور اگر تم اسے بھائی کہہ کر مخاطب کرتے

۱۱ے جوامع الکلم، ص ۲۰۴ افضل صحابہ ابوبکرؓ ثم عمرؓ ثم عثمانؓ، ثم علیؓ

تو تمھارا اس میں کیا بگڑتا ہے[11]

حضرت گیسو درازؒ نے جس انداز میں یہ واقعہ بیان کیا ہے اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہندوؤں کی تذلیل اور خواری کے قائل نہ تھے بلکہ انھیں اپنی سوسائٹی میں اچھا مقام دلانے کے خواہشمند تھے۔

بندہ نوازؒ کے زمانے کی دہلی

حضرت گیسو درازؒ نے اپنے ملفوظات میں ایک موقع پر "خانۂ ما نزدیک دروازۂ پالم درون دہلی کہنہ" کا ذکر کیا ہے[12] اس سے دو باتیں مترشح ہوتی ہیں۔ اوّلاً یہ کہ حضرت گیسو درازؒ کی رہائش اندرون دروازۂ پالم تھی۔ ثانیاً یہ کہ ملفوظات کی نگارش کے وقت نئی دہلی آباد ہو گئی تھی، اور اگر ایسا نہ ہوتا تو حضرت "دہلی کہنہ" کا ذکر نہ فرماتے۔

جوامع الکلم میں ایک دوسرے موقع پر حضرت گیسو درازؒ نے "نزدیک دروازۂ بداؤں" اپنی رہائش گاہ کا ذکر فرمایا ہے۔ اس سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ اندرون دروازۂ پالم کے علاوہ آپ کی رہائش دروازۂ بداؤں کے نزدیک بھی رہی ہے۔[13]

یوں معلوم ہوتا ہے کہ پرانی دہلی کے چودہ دروازے تھے۔ راقم الحروف کی یہ بڑی خواہش تھی کہ کسی طرح ان دروازوں کے نام معلوم ہو جائیں۔ ضیاء الدین برنی نے تاریخ فیروز شاہی میں سلطان علاء الدین خلجی کی اصلاحات کے ضمن میں قدیم دہلی کے صرف دو دروازوں یعنی دروازۂ بداؤں[14] اور دروازۂ بھندرکال[15] کا ذکر کیا ہے۔ راقم الحروف نے دو بار بغور جوامع الکلم کا اوّل تا آخر مطالعہ کیا تو گیارہ دروازوں کے نام مل گئے لیکن اس سے راقم الحروف کی تشفی نہ ہوئی اور تیسری بار جوامع الکلم کے مطالعہ کے دوران مزید دو دروازوں کے نام مل گئے۔ حضرت گیسو درازؒ نے اپنے ملفوظات میں دروازۂ پالم، دروازۂ شکار، دروازۂ بزرگ، دروازۂ کشمیر، دروازۂ غزنین، دروازۂ بھیلسہ، دروازۂ مندہ، دروازۂ کمال، دروازۂ دہلی، دروازۂ بداؤں، دروازۂ سبری، دروازۂ

---

[12] جوامع الکلم، ص ۱۷۲ [13] ایضاً، ص ۱۳

[14] ضیاء الدین برنی، تاریخ فیروز شاہی، مطبوعہ علی گڑھ، ۱۹۵۷ء، ص ۱۱۴، ۱۴۰۔

[15] ایضاً، ص ۱۱۰۔ بھندرکالی ہندوؤں کی ایک دیوی ہے۔ یہ دروازہ غالباً اسی کے نام سے منسوب ہے۔

حاجب عطار اور دروازۂ حوض رانی کا ذکر کیا ہے۔ عام طور پر دہلی میں تین حوض، حوض شمسی، حوض علائی اور حوض رانی مشہور ہیں۔ حضرت گیسو درازؒ نے جوامع الکلم میں ایک موقع پر حوض قتلغ خان کا ذکر کیا ہے جسے علاء الدین کے نامور جرنیل اور مصاحب قتلغ خان نے تعمیر کروایا تھا۔[16] حضرت گیسو درازؒ نے ایک موقع پر "بازار خواجہ جہاں" کا ذکر کیا ہے جہاں سے ان کے بھائی "دکان گاہندیاں" سے چرائنہ خرید کر لائے تھے۔[17]

حضرت گیسو درازؒ نے بارھویں پشت میں اپنے جدّ امجد سید ابوالحسن جنیدی کا ذکر کرتے ہوئے دروازۂ شکار کے قریب فصیل کے نزدیک ان کے مزار کی نشاندہی کی ہے۔ حضرت گیسو درازؒ فرماتے ہیں کہ آس پاس کے لوگ اس بات پر گواہ ہیں کہ ہر شب جمعہ وہاں انوار کا نزول ہوتا ہے۔ ان کے مزار پر اناروں کے درخت ہیں جہاں حاجت مند دھاگے باندھ جاتے ہیں۔[18] محمد بن تغلق نے دہلی میں بے شمار مزارات تباہ و برباد کر دیے تھے۔[19] تاہم سید ابوالحسن جنیدی کا مزار حضرت گیسو درازؒ کے زمانے تک محفوظ تھا۔ اب اس مزار کا محلِ وقوع تلاش کرنا بے حد دشوار ہے۔

دہلی کارپوریشن کی حدود میں وزیر آباد ایک مشہور بستی ہے۔ یہ بڑی قدیم آبادی ہے اور جوامع الکلم میں اس کا ذکر ملتا ہے۔ حضرت گیسو درازؒ کے زمانے میں یہ بستی دہلی سے آٹھ کوس کی مسافت پر تھی۔[20]

حضرت گیسو درازؒ راوی ہیں کہ دروازۂ بداؤں کے نزدیک فصیل پر ایک جنّ رہتا تھا جو ہر شخص کو تکلیف پہنچایا کرتا تھا۔ ایک شخص نے اسے وہاں سے نکالا اور اسے مار ڈالنے کا ارادہ کیا تو اس جنّ نے اس سے کہا کہ وہ اسے جان سے نہ مارے اور وہ یہ وعدہ کرتا ہے کہ اس کے بعد وہ

---

[16] جوامع الکلم، ص ۳۴۱ [17] ایضاً، ص ۲۹۳ [18] ایضاً، ص ۳۱۳

[19] ایضاً، ص ۱۴۱۔ "قدیم الایام در دہلی زیارت گاہ ہا بسیار بود۔ بعد خرابی دہلی کہ سلطان محمد تغلق کرد آن زیارت ہا بکلی مضمحل شد چنہ زیارت شیخ الاسلام قطب الدین و خدمت شیخ الاسلام نظام الدین و چند پیری۔"

[20] ایضاً، ص ۱۸۸۔

دہلی میں نہیں رہے گا، چنانچہ اس شخص نے اسے چھوڑ دیا [۱۲۱] اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس زمانے میں دہلی میں جنّات موجود تھے۔

سیّد گیسو دراز کا طریقۂ بیعت

حضرت گیسو دراز جب کسی شخص کو مرید کرتے تو اس سے یہ عہد لیتے کہ وہ چشتیہ سلسلہ کے بزرگوں کا ادب و احترام ملحوظ رکھے گا اور اپنی زبان پر قابو رکھنے کے ساتھ ساتھ شریعت کے احکام کے مطابق زندگی بسر کرے گا۔ جب وہ شخص یہ عہد کرتا تو آپ الحمد للہ رب العلمین کہتے ہوئے قینچی اٹھاتے اور اللہ اکبر کہتے ہوئے اس کے سر کے بال دائیں جانب سے اور بائیں جانب سے کترتے اور اسے ایک خاص وضع کی ٹوپی پہننے کے لیے مرحمت فرماتے۔ بعد ازاں آپ اس مرید کو دوگانہ ادا کرنے کا حکم دیتے اور جب وہ فارغ ہو کر حاضرِ خدمت ہوتا تو اسے نماز باجماعت، نمازِ جمعہ، غسل بروز جمعہ اور اوّابین کے نفل ادا کرنے کی تلقین فرماتے۔ اسی طرح آپ اُسے ہر ماہ کی تیرہ، چودہ اور پندرہ تاریخوں کو روزے رکھنے کی نصیحت فرماتے [۱۲۲]

جوامع الکلم کے مطالعہ سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ جب کوئی عورت حضرت گیسو دراز کی مرید ہونا چاہتی تو آپ اس کے کسی محرم کو اپنا وکیل مقرر کر کے اس سے کہتے: "تم میرے نائب ہو اور تمہاری زبان میری زبان کی نائب ہے اور تمہارا ہاتھ میرے ہاتھ کا نائب ہے"۔ بعد ازاں اس شخص کو مخاطب کر کے فرماتے کہ وہ اپنی بیٹی یا بہن سے کہے کہ وہ وضو کر کے آئے اور جس انداز سے ایک مرید اپنے پیر کو سلام کرتا ہے، ذرا فاصلے سے اپنے محرم کو اسی انداز سے سلام کرے۔ بعد ازاں وہ خاتون اپنی انگشتِ سبابہ کو کپڑے میں لپیٹ کر پانی سے بھرے ہوئے ایک پیالے میں ایک درہم کے سائز کے برابر ڈالے۔ اسی طرح وہ محرم بھی اپنی سبابہ کو کپڑے میں لپیٹ کر بقدر ایک درہم کے پانی میں ڈالے۔ اس کے بعد وہ خاتون یہ عہد کرے کہ وہ حضرت گیسو دراز کا، ان کے مرشد کا اور ان کے مشائخِ طریقت کا احترام کرے گی اور اپنی زبان پر قابو رکھے گی۔ اسی طرح وہ جادۂ شریعت پر چلنے کا عہد کرے اور جب وہ یہ کلمات دہرا چکے تو محرم اس

---

۱۲۱ جوامع الکلم، ص ۱۶۳ ۱۲۲ ایضاً، ص ۳۶-۳۷-

سے پوچھے کہ کیا اس نے ان باتوں کو قبول کر لیا ہے؟ اور اگر وہ جواب میں ہاں کہے تو محرم الحمدللہ کہہ کر تکبیر پڑھے اور ایک رومال اس کے سر پر ڈال کر اُسے دوگانہ ادا کرنے کی تلقین کرے۔ جب وہ دوگانہ ادا کر چکے تو محرم اس سے یہ عہد لے کہ وہ نماز پنجگانہ قضا نہیں کرے گی، اور مغرب کی نماز کے بعد چھ نفل ادا کیا کرے گی، اور ان نفلوں میں ہر رکعت میں فاتحہ کے بعد سات بار سورۂ اخلاص، ایک بار سورۂ فلق اور ایک بار سورۂ والناس پڑھا کرے گی۔ نفل ادا کر کے وہ سجدہ میں سر رکھ کر تین بار یاحي یاقیوم ثبتني علی الایمان کہا کرے گی۔ اسی طرح وہ نماز عشا کے بعد دو نفل ادا کیا کرے گی اور ہر رکعت میں فاتحہ کے بعد دس بار سورۂ اخلاص پڑھا کرے گی اور سلام پھیرنے کے بعد ستر بار یا وھاب یا وھاب کا ورد کیا کرے گی۔ علاوہ بریں وہ ہر ماہ کی تیرھویں، چودھویں اور پندرھویں کو روزہ رکھا کرے گی۔ اس کے لیے یہ لازم ہے کہ وہ یا وھاب کو ورد زبان رکھے اور اپنی زبان کو فحش گوئی اور ہزل گوئی سے بچائے[۲۳]

ملفوظات خواجگانِ چشت

موجودہ صدی کے آغاز میں لاہور کے ایک ناشر نے فوائد السالکین، راحت المحبین، خلاصۃ العارفین، دلیل العارفین اور افضل الفوائد کے عنوانات سے خواجگان چشت کے ملفوظات شائع کیے ہیں اور ضعیف الاعتقاد اور خوش عقیدہ لوگ انھیں حرز جان بنا چکے ہیں۔ اسی طرح انیس الارواح، راحت القلوب اور اسرار الاولیاؒ کے عنوانات سے بھی چشتی بزرگوں کے ملفوظات کے مجموعے موجود ہیں۔ ہمارے نزدیک ملفوظات کے تمام مجموعے جعلی اور وضعی ہیں کیونکہ حضرت نصیر الدین چراغ دہلیؒ فرماتے ہیں کہ ان کے اکابر میں سے کسی بزرگ نے کوئی کتاب نہیں لکھی[۲۴]۔ حضرت چراغ دہلی کے اس قول کی تصدیق جوامع الکلم کے ایک اندراج سے بھی ہوتی ہے۔ حضرت گیسو دراز فرماتے ہیں کہ اجودھن میں قیام کے دوران کسی شخص نے انھیں بابا فرید الدین گنج شکرؒ کے ملفوظات

۲۳ے جوامع الکلم، ص ۳۱۰

۲۴ے حمید قلندر، خیر المجالس، مطبوعہ علی گڑھ ۱۹۵۹ء، ص ۵۲۔

ٍٍ" از مشائخ شجرۂ ما ہیچ شیخی تصنیف نہ کردہ است ــــ"

کا ایک مجموعہ دکھایا جس کے مرتب کا نام بدر الدین اسحٰق بتایا جاتا ہے۔ ان کے خیال میں یہ مجموعہ سراسر جعلی ہے اور اسی طرح فوائد الفواد کے علاوہ جتنے مجموعے حضرت نظام الدین اولیاؒ کی طرف منسوب ہیں وہ سب جعلی ہیں[25] ہمیں حیرت ہے کہ حضرت چراغ دہلیؒ اور حضرت گیسو درازؒ کی تردید کے باوجود بھارت کے نامور مورخ سید صباح الدین عبد الرحمٰن کو ان ملفوظات کو جعلی تسلیم کرنے میں تامل ہے[26]

چلّہ کشی کی حقیقت

شیخ عبد الحق محدّث دہلوی بابا فرید الدین گنج شکرؒ کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں کہ انھوں نے اوچ کے ایک کنویں میں چلّہ معکوس کاٹا تھا[27] اسی طرح لاہور میں ڈپٹی کمشنر کے دفتر کے عقب میں ایک ٹیلہ موجود ہے جو ٹلہ بابا فریدؒ کے نام سے مشہور ہے اور اس کے بارے میں بھی یہ بات خواص و عوام میں مشہور ہے کہ یہاں بابا فرید الدین گنج شکرؒ نے چلّہ کھینچا تھا[28] حضرت علی ہجویریؒ کے مزار کے قریب ایک چھوٹا سا قبہ موجود ہے جس کے متعلق یہ بتایا جاتا ہے کہ وہاں حضرت معین الدین اجمیریؒ نے چلّہ کاٹا تھا[29]۔ اسی طرح ہسپتال روڈ پر رتن چند کی سرائے کے عقب میں حضرت یعقوب زنجانیؒ کے مزار کے قریب بھی ایک حجرہ موجود ہے جس کے بارے میں روایت ہے کہ وہاں خواجہ معین الدین اجمیریؒ نے چلّہ کاٹا تھا۔ ہمارے خیال میں یہ تمام روایتیں مجاوروں نے سادہ لوح عقیدت مندوں کی جیبوں پر ڈاکہ ڈالنے کے لیے گھڑی ہوئی ہیں۔ ہم ان تمام روایات پر حضرت گیسو درازؒ کی اس روایت کو ترجیح دیتے ہیں، جس میں وہ فرماتے ہیں کہ ہمارے بزرگوں میں سے کوئی بھی چلّہ میں نہیں بیٹھا[30]

---

[25] جوامع الکلم، ص ۱۴۷ "سربسر ہمہ افترا است"

[26] سید صباح الدین عبد الرحمٰن، ماہنامہ معارف اعظم گڑھ، بابت دسمبر ۱۹۶۴ء، ص ۴۲۷۔

[27] عبد الحق محدّث، اخبار الاخیار، مطبوعہ دہلی ۱۳۳۲ھ، ص ۵۳ "در چاہ مسجد جاج کہ در مقام اُچہ است چلّہ معکوس کشید تا چہل روز"

[28] نور احمد چشتی، تحقیقات چشتی، مطبوعہ لاہور ۱۹۶۴ء، ص ۲۹۳۔ [29] ایضاً

[30] جوامع الکلم، ص ۱۳۲ "خواجگان ما در اربعین نہ نشستہ اند"

چشتیوں میں احترامِ مُرشد

حضرت گیسو دراز فرماتے ہیں کہ ایک بار ایسا ہوا کہ حضرت بابا فرید الدین گنج شکر ماہِ رمضان میں علیل ہو گئے اور وہ روزے قضا کرنے لگے۔ ایک روز دن کے وقت بابا فرید صاحب نے خربوزہ تناول فرماتے ہوئے ایک قاش حضرت نظام الدین اولیا کو مرحمت فرمائی۔ حضرت نظام الدین اولیا نے دل میں سوچا کہ خدا جانے اس طرح کی دولت پھر کبھی انھیں میسّر بھی آئے گی کہ نہیں، اس لیے انھوں نے فی الفور قاش کھانے کا ارادہ کر لیا اور اپنے دل میں کہا کہ بعد ازاں بطور کفارہ دو ماہ کے متواتر روزے رکھ لیں گے۔ جونہی ان کے دل میں یہ خیال گزرا تو بابا صاحب نے فرمایا: "نظام الدین ہمیں شریعت کی رعایت کرنی چاہیے، اس لیے اسے افطار کے وقت کھا لینا"[۱۳۱]

شمس الدین التمش

حضرت گیسو دراز فرماتے ہیں کہ سلطان شمس الدین التمش نے ایک ترکی کنیز خریدی اور اسے اس کے ساتھ بڑی محبت ہو گئی۔ سلطان نے جب اس کی طرف رجوع کیا تو اسے خون جاری ہو گیا اور وہ مباشرت کے قابل نہ رہی۔ سلطان نے یہ سمجھا کہ یہ شرعی عذر ہے اس لیے اس نے چند دنوں تک توقف کیا۔ کچھ عرصہ بعد سلطان نے اس کنیز سے اس کی حالت کے متعلق دریافت کیا تو اس نے سلطان کو بتایا کہ یہ عذر معمول کے مطابق نہ تھا اور جونہی وہ واپس گیا، توں ہی جریانِ خون بند ہو گیا۔ سلطان نے جب دوبارہ اس کنیز کی طرف رجوع کا ارادہ کیا تو اچانک ہی اُسے خون آنے لگا۔ حضرت گیسو دراز فرماتے ہیں کہ جب بھی سلطان اس کنیز کی طرف متوجہ ہوتا اسی وقت اسے خون آنے لگتا۔ سلطان نے اطبا کی طرف رجوع کیا تو انھوں نے دریافتِ حال کے بعد جواب دیا کہ اگر یہ مرض ہوتا تو وہ اس کا علاج کرتے لیکن امرِ غائب کے معاملے میں وہ کچھ نہیں کر سکتے، للذا کسی صاحبِ دل سے رجوع کرنا چاہیے۔ ان دنوں لاہور میں خواجہ زکی سختیان گر نامی ایک ولی اللہ رہتے تھے، سلطان نے سارا ماجرا ان کی خدمت میں لکھ بھیجا۔ خواجہ صاحب نے کچھ دیر مراقبہ کیا اور جب مراقبہ سے سر اٹھایا تو فرمانے لگے کہ یوں معلوم ہوتا ہے کہ سلطان شمس الدین التمش اولیائے اللہ میں سے ہے اور اللہ تعالیٰ

---

[۱۳۱] جوامع الکلم، ص ۱۵۲۔

یہ نہیں چاہتا کہ وہ گناہِ کبیرہ کا مرتکب ہو اور انھیں یوں معلوم ہوتا ہے کہ وہ کنیز سلطان کی حقیقی بہن ہے۔ جب خواجہ زکی سختیان گرؒ کا پیغام سلطان کو پہنچا تو اس نے اس کنیز کو طلب کیا اور اس کی جائے ولادت اور والدین کے نام دریافت کیے تو اس پر یہ حقیقت منکشف ہوئی کہ وہ کنیز دراصل اس کی حقیقی بہن ہے[۳۲]

حضرت گیسو درازؒ فرماتے ہیں کہ سلطان شمس الدین التمش ہر شب جمعہ بوڑھی اور غریب عورتوں کے گھروں میں جاتا اور ان میں سے ہر ایک کے سامنے چار پانچ ٹنکے اور چند سیر مٹھائی رکھتا اور ان کے قدموں میں گرتا اور کہتا کہ وہ ان کا غلام ہے اور وہ اس کی بیبیاں ہیں[۳۳]

سلطانہ رضیہ

جوامع الکلم کے مطالعہ سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ عصامی جیسے لوگوں نے سلطانہ رضیہ کے خلاف جو پراپگنڈہ کیا تھا وہ کامیاب ہو چکا تھا، اور حضرت گیسو درازؒ بھی اس سے متأثر ہو چکے تھے۔ چنانچہ ایک موقع پر انھوں نے سلطانہ رضیہ کے "ظلم و تعدی و بی ہنجاری" کا ذکر کیا ہے[۳۴] حضرت گیسو درازؒ نے سلطانہ رضیہ کا عہدِ حکومت سات سال بتایا ہے جو صحیح نہیں[۳۵] اس کا ہم عصر مؤرخ منہاج سراج جوزجانی لکھتا ہے کہ رضیہ کا عہدِ حکومت تین سال تھا[۳۶]

سلطان علاء الدین خلجی

حضرت گیسو درازؒ فرماتے ہیں کہ سلطان علاء الدین خلجی کے عہد میں منگولوں نے دہلی پر حملہ کیا، اور سلطان نے ان کا مقابلہ کرنے کی ٹھانی۔ انہی ایام میں سلطان نے حضرت نظام الدین اولیاؒ کی خدمت میں ایک قاصد بھیجا اور ان سے التجا کی کہ وہ سلطان کی کامیابی کے لیے دعا فرمائیں۔ حضرت نظام الدینؒ نے سلطان کا پیغام ملتے ہی صوفیوں کو جمع کیا اور ان سے کہا کہ آئیں مل کر خدا تعالیٰ سے مسلمانوں کی فتح

۳۲ھ جوامع الکلم، ص ۲۶۸، ۲۶۹۔

۳۳ھ ایضاً، ص ۲۶۹ــــ "وگفتی کہ من بندۂ شما ام و غلام شمام، شما بیبیان ما اید ـــ"

۳۴ھ ایضاً، ص ۲۰۸   ۳۵ھ ایضاً۔

۳۶ھ منہاج سراج جوزجانی، طبقات ناصری، مطبوعہ لاہور ۱۹۵۲ء، ص ۹۹۔

کے لیے دعا کریں۔ حضرت نظام الدینؒ کے ارشاد کے مطابق تمام صوفیا دعا میں مشغول ہو گئے۔ حضرت گیسو دراز فرماتے ہیں کہ ایک روز حضرت نظام الدین بالاخانہ میں تشریف فرما تھے کہ ایک صوفی ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا کہ اس نے مسلمانوں کے لشکر میں ایک نوجوان کو گھوڑے پر سوار دیکھا ہے اور اُسے یہ بتایا گیا ہے کہ اس لشکر کی کمان اس نوجوان کو سونپی گئی ہے اور اسی کی برکت سے مسلمانوں کو منگولوں سے نجات ملے گی۔ حضرت سلطان المشائخ نے اس صوفی سے پوچھا کہ اگر وہ اس نوجوان کو دیکھے تو کیا اُسے پہچان لے گا؟ صوفی نے حضرت نظام الدینؒ کے سوال کا جواب اثبات میں دیا۔ اسی اثنا میں سلطان علاء الدین کا کاتب میاں ضیاء الدین فتح کی خوشخبری لے کر بڑی تیزی سے گھوڑا دوڑاتے ہوئے حضرت نظام الدینؒ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضرت سلطان المشائخ نے اس صوفی سے دریافت فرمایا کہ یہ وہی نوجوان ہے؟ صوفی نے اُسے دیکھ کر اثبات میں جواب دیا۔[۴۷] یہ ضیاء الدین وہی شخص ہے جس نے حضرت نظام الدینؒ کی خانقاہ میں جماعت خانہ تعمیر کروایا تھا۔[۴۸]

سلطان علاء الدین کے عہد میں ملک کمال الدین گرگ جالور کا مقطع تھا۔ وہ خود تو دربار میں رہتا تھا لیکن جالور میں اس کی نیابت ایک متصرف کرتا تھا۔ ایک بار سلطان علاء الدین اس متصرف سے کسی بات پر ناراض ہوا اور اس نے اس کی آنکھیں نکلوانے کا ارادہ کیا۔ سلطان نے اپنے ارادے کا اظہار ملک کمال الدین سے کیا تو اس نے عرض کیا کہ جو اس کے جی میں آئے کرے سلطان نے ایک شخص کو متصرف کی آنکھیں نکالنے پر مامور کیا اور اسے اس امر کا فرمان دے کر جالور روانہ کیا۔

سلطان کا قاصد جب جالور پہنچا تو متصرف نے حسب دستور شاہی فرمان کی تعظیم کی اور قاصد کی خدمت میں کھانا پیش کیا۔ جب قاصد نے سلطان کے حکم کے مطابق اس کی آنکھیں نکالنے کا ارادہ کیا تو اچانک اس کی نظر متصرف کی ٹوپی پر پڑی۔ حضرت گیسو درازؒ فرماتے ہیں کہ اب تو خراسانیوں نے ایک قدیم رسم توڑ دی ہے لیکن اس زمانے میں دہلی والوں کی یہ عادت تھی کہ

---

۴۷ جوامع الکلم، ص ۱۶۰

۴۸ ایضاً۔

جب تک وہ کسی بزرگ کے مرید نہیں ہو جاتے تھے اس وقت تک سر پر ٹوپی نہیں پہنتے تھے۔ قاصد نے متصرف سے اس ٹوپی کے متعلق استفسار کیا تو اس نے بتایا کہ وہ حضرت سلطان المشائخؒ کا مرید ہے اور یہ ان ہی کی ٹوپی ہے۔ اتفاق سے قاصد خود بھی حضرت سلطان المشائخؒ کا مرید تھا۔ اس نے اپنے دل میں کہا کہ جس شخص کے سر پر اس کے مرشد کی ٹوپی ہو وہ اس شخص کے ساتھ ایسا ناروا سلوک نہیں کر سکتا۔ اُدھر وہ شاہی علم کے تحت متصرف کی آنکھیں نکالنے پر مامور تھا۔ اسی ذہنی کشمکش میں اس کی پریشانی روز بروز بڑھتی جاتی تھی کہ وہ کیا کرے اور کیا نہ کرے۔ ایک دن متصرف نے اس کی پریشانی کا سبب پوچھا تو اس نے سلطان کا فرمان اسے دکھایا۔ فرمان دیکھ کر متصرف نے پوچھا کہ پھر دیر کس بات کی ہے؟ اُسے چاہیے کہ سلطان کے حکم کی تعمیل کرے۔ ورنہ وہ اس کے پورے خاندان کو تباہ و برباد کر ڈالے گا۔ قاصد نے کہا کہ جس شخص کے سر پر اس کے شیخ کی ٹوپی ہو، وہ اس کے ساتھ ایسا بہیمانہ سلوک نہیں کر سکتا۔ جو ہو گا دیکھا جائے گا، آیئے ہم مل کر دہلی چلتے ہیں۔

حضرت گیسو درازؒ فرماتے ہیں کہ اُدھر وہ دہلی کی طرف روانہ ہوئے، اِدھر سلطان علاء الدین کے دل میں یکایک یہ خیال پیدا ہوا کہ متصرف بے گناہ ہے، اس کی آنکھیں نہیں نکالنا چاہیے تھا۔ اس نے ملک کمال الدین گرگ سے اپنی خواہش کا اظہار کیا تو اس نے جواب دیا کہ اس بات کا احتمال ہے کہ وہ اس مصیبت سے بچ گیا ہو گا اور ایک دو روز میں حاضر خدمت ہو جائے گا۔

ادھر وہ دونوں دہلی پہنچے اور سیدھے حضرت سلطان المشائخؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ قاصد نے سارا ماجرا ان کے گوش گزار کیا تو وہ بے حد مسرور ہوئے اور متصرف کی سلامتی کے لیے فاتحہ پڑھی۔ یہ دونوں برادران طریقت حضرت سلطان المشائخؒ سے رخصت لے کر دربار کی طرف روانہ ہوئے اور جب دربار کے قریب پہنچے تو ان کی مڈبھیڑ ملک کمال الدین گرگ سے ہوئی۔ ملک کمال الدین گرگ انھیں دیکھتے ہی سلطان کی خدمت میں پہنچا اور کہنے لگا کہ سلطان کی کرامت ظاہر ہو گئی ہے اور وہ متصرف صحیح سلامت یہاں پہنچ گیا ہے۔ سلطان نے ان دونوں کو اپنے پاس بلایا اور ان سے پوری کیفیت سنی اور بے حد خوش ہوا۔ حضرت گیسو درازؒ فرماتے ہیں کہ سلطان نے متصرف کو خلعت[۳۹] سے

۳۹۔ جوامع الکلم، ص ۱۳۶-۱۳۷

نوازا اور قاصد کی تنخواہ میں اضافہ کر دیا۔ اس واقعہ سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ سلطان کے دل میں حضرت سلطان المشائخ کی بڑی عزت تھی، ورنہ وہ حکم عدولی کی بنا پر قاصد کو ضرور سزا دیتا۔

حضرت چراغ دہلی کے ملفوظات خیر المجالس میں سلطان علاء الدین کے بارے میں بڑے اچھے ریمارکس ملتے ہیں[۴۰] لیکن اس کے برعکس جوامع الکلم میں اس کے بارے میں یہ لکھا ہے کہ وہ مروان کی طرح بادشاہ کو نبی سے افضل سمجھتا تھا لیکن مسلمانوں کے خوف سے اس خیال کا اظہار صرف اپنے خواص میں ہی کرتا تھا۔[۴۱] اس سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ حضرت گیسو دراز کے عہد میں علاء الدین کے خلاف ضیاء الدین برنی کا پراپاگنڈہ کامیاب ہو چکا تھا اور وہ خواص و عوام کو یہ باور کرا چکا تھا کہ سلطان علاء الدین بڑا بے دین بادشاہ تھا اور وہ اپنے چار یاروں کی مدد سے نیا دین جاری کرنا چاہتا تھا۔[۴۲] حضرت گیسو درازؒ کے ملفوظات میں کئی موقعوں پر برنی کی تاریخ فیروز شاہی کا ذکر آیا ہے، جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتاب ان کے مطالعہ میں رہتی تھی۔ اس لیے برنی انھیں اس بات کا یقین دلا چکا تھا کہ سلطان علاء الدین بڑا بدعقیدہ شخص تھا۔

خسرو خان

خسرو خان نو مسلم سلطان قطب الدین مبارک خلجی کا منظور نظر تھا اور اس نے رفتہ رفتہ اختیار حکومت اپنے ہاتھ میں لے کر سلطان کو قتل کر کے تخت پر قبضہ کر لیا۔ خسرو خان چونکہ غاصب اور خواجہ کش تھا اس لیے اس نے دار الحکومت کے صوفیا اور مشائخ کی حمایت حاصل کرنے کے لیے انھیں بڑی بڑی رقمیں بطور نذر پیش کیں۔ حضرت گیسو درازؒ کی روایت ہے کہ خسرو خان نے اس موقعہ پر ایک لاکھ تنکے حضرت سلطان المشائخؒ کی خدمت میں بھجوائے اور ان کے کم ترین خادموں کو فی کس دس ہزار تنکے دیے۔[۴۳]

(باقی آئندہ)

۴۰؎ حمید قلندر، خیر المجالس، مطبوعہ علی گڑھ ۱۹۵۹ء، ص ۲ - ۲۴۱۔

۴۱؎ جوامع الکلم، ص ۱۷۵۔

۴۲؎ ضیاء الدین برنی، تاریخ فیروز شاہی، مطبوعہ علی گڑھ ۱۹۵۷ء، حصہ دوم، ص ۹۳۔

۴۳؎ جوامع الکلم، ص ۲۴۱۔